درحقیقت یوسف کو ایک نظر دیکھ کر ان عورتوں کی مدہوشی کی کیفیت سے اور بے خبری میں اپنے ہاتھ کاٹ لینے سے زلیخا نہایت مسرور ہوئی اور ان عورتوں سے فخریہ انداز میں بولی۔ یہی وہ حسین و جمیل اور اعلیٰ کردار شخص ہے جس کے لئے تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ اس کے بعد زلیخا نے راز دل ان پر فاش کر دیا اور حق بات کہہ دی۔ اس کے آگے قرآن میں ارشاد ہے کہ: "ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم[1]" یعنی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی مگر یہ پاک و صاف رہا۔ زلیخا نے عورتوں کو اپنا ہمراز بنانے پر ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ اپنا شریک عمل بھی بنا لیا۔ اور ان سب عورتوں کے ساتھ مل کر یوسف کو غلط کام پر اکسایا اور حکم نہ ماننے پر قید خانے کی دھمکی دی۔ زلیخا نے کہا:

"ولئن لم یفعل ما اٰمرہ لیسجنن ولیکونا من الصٰغرین[2]۔"

ترجمہ: اور اگر آئندہ بھی ہمارا کہا نہیں کرے گا تو یقیناً جیل خانہ بھیجا جائے گا اور بے عزت بھی ہوگا۔

زلیخا کے مذکورہ بالا اقوال و حرکات سے یہ نتیجہ نہیں اخذ کیا جا سکتا کہ اس کے دل میں یوسف کے لئے کوئی جذبۂ عشق موجود تھا بلکہ اس کے ہر قول اور ہر عمل سے شہوت پرستی کا برملا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اپنے معشوق کے لئے اپنی بدنامی برداشت نہ کر سکی اور عورتوں کے سامنے اپنے معشوق کو لا کھڑا کیا۔ جب وہ سب بھی ان کے حسن سے مسحور ہو گئیں تو وہ خوش ہو گئی۔ یہی عشق زلیخا ہے جس پر غالب

۱۔ سورۂ یوسف ۳۲

۲۔ " " "

نے طنز کیا ہے:

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہِ کنعاں ہو گئیں

جس کو در اصل محبت ہوتی ہے وہ نہ ناموس کی پرواہ کرتا ہے اور نہ رقیب کے وجود کو خاطر میں لاتا ہے۔ لیکن زلیخا کو رقیبوں کا وجود ہی گوارا نہ تھا بلکہ ان کو شریک عمل بھی بنانا مقصود تھا۔

اس کے بعد سب عورتوں نے مل کر یوسف کو غلط کام کے لئے آمادہ کرنا چاہا۔ یوسف نے ان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا، اس پر زلیخا نے انھیں قید کی دھمکی دی۔ اس پر بھی یوسف راہ راست سے منحرف نہیں ہوئے تو انھیں قید خانے کی صعوبتیں جھیلنے کے لئے محبوس کروا دیا۔ عاشق کا رویہ اپنے معشوق کے ساتھ ایسا ظالمانہ اور خود پرستی پر محمول نہیں ہوتا۔

حضرت یوسفؑ کے محبوس ہو جانے کے بعد زلیخا بے فکر اور مطمئن ہو گئی۔ اس نے ان کی کوئی خبر گیری کی نہ ہی اعلانیہ یا پوشیدہ طور پر یوسف کی حالت معلوم کرنے کی کوشش کی اور نہ قرآن کی کسی آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زلیخا ان کے لئے بے چین و بے قرار ہوئی یا اپنی غلطی پر پشیمان ہوئی یا انھیں آزاد کرانے کی کوشش کی ہو۔ ایک بادشاہ کی بیوی ہوتے ہوئے جس طرح اس نے یوسف کو قید کروایا تھا اسی طرح وہ انھیں آزاد کرا سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زلیخا کے دل میں یوسف کے لئے کوئی جذبہ موجود نہ تھا اور اگر اس کے دل میں یوسف کے لئے کچھ خیال تھا وہ محض مادیت پرستی اور شہوت پرستی تک ہی محدود تھا۔

قرآن کریم میں زلیخا کا ذکر مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اس وقت آتا ہے

جب بادشاہ وقت خواب میں دیکھتا ہے اور اسے پتہ چلتا ہے کہ یوسف بے قصور قید میں ہیں تو وہ انھیں آزادی کا پروانہ بھیجتا ہے لیکن یوسف قید خانے سے باہر آنے سے انکار کر دیتے ہیں تا وقتیکہ ان کے جرم اور قصور کی تحقیق نہ ہو جائے۔ چونکہ بادشاہ کو ان سے اپنے خواب کی تعبیر معلوم کرنی تھی اس لئے ان کی بات ماننی پڑی۔ چنانچہ بادشاہ نے ان سب عورتوں کو جو زلیخا کے کام میں شریک تھیں اور خود زلیخا کو بھی ایک جگہ جمع کیا اور پوچھا:

"ما خطبکن اذ راودتن یوسف عن نفسہ" [1]

ترجمہ: تمہارا کیا واقعہ ہے جبکہ تم نے یوسف سے اپنے مطلب کی خواہش کی۔

ان عورتوں نے جواب دیا:

حاش للہ ما علمنا علیہ سوء

ترجمہ: ہم کو ان میں ذرا بھی برائی کی بات معلوم نہیں ہوئی۔

تب زلیخا نے اقرار کیا اور کہا:

"الئن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین" [2]

ترجمہ: اب حق بات ظاہر ہو گئی ہے۔ ان سے میں نے ہی اپنے مطلب کی خواہش کی تھی اور بے شک وہی سچے ہیں۔

زلیخا کے اس طرح سب کے سامنے اپنے اقرار جرم سے مفسرین قرآن نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ اب عاشق صادق کے مرتبہ تک پہنچ گئی تھی لیکن حق تو یہ ہے کہ زلیخا کے

۱۔ سورۂ یوسف ص ۵۱۔

۲۔ " " " "۔

دل میں عشق نام کا کوئی جذبہ شروع سے اب تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ جب یوسف نے قید خانے سے نکلنے سے انکار کردیا اور اپنے جرم کی تحقیق چاہی تب ہی سب کے سامنے ان کی پاکدامنی اور بے قصوری خود بخود ظاہر ہوگئی تھی اس پر مستزاد یہ کہ وہ عورتیں جو زلیخا کی شریک کار اور سازدار تھیں انھوں نے سب کے سامنے برملا یہ قبول کرلیا تھا کہ یوسف بے قصور ہے۔ اس وقت زلیخا مجبور ہوگئی اور بجز سچ بات کہنے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ اگر عورتوں کی بات کے خلاف کوئی بات کہتی تو دروغ گوئی کہلاتی۔ اس لئے اس نے اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ پس اقرارِ جرم زلیخا نے محبت و عشق کے کسی جذبہ سے مغلوب ہوکر ہرگز نہیں کیا تھا بلکہ دروغ گوئی اور مکر و فریب کے تمام راستے مسدود پاکر مجبوراً کیا تھا۔

لہٰذا قرآن کریم نے زلیخا کا جو کردار پیش کیا اس میں زلیخا کی محبت کا کہیں ثبوت نہیں ملتا اور داستانوں میں جو عشق زلیخا ملتا ہے وہ حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ محض شاعرانہ خیالات و تصورات کی بنیاد پر ہے۔

عشق ایسی معمولی چیز نہیں ہے کہ جس کو چاہیں عاشق کہہ دیں۔ عشق تو صوفیوں کے نزدیک یہ ہے کہ "العشق نار تحرق ماسویٰ المعشوق" عشق ایک ایسی آگ ہے جو معشوق کے علاوہ تمام چیزوں کو خاکستر کردیتی ہے۔ ایک مشہور حدیث میں عشق کی تعریف یہ ہے کہ:

"من عشق وکتم وعف ومات مات شہیداً"

جس نے عشق کیا اور اسے چھپایا اور عفیف رہا پھر مرگیا تو وہ شہید ہوا ــــ کہاں یہ حدیث اور عشق زلیخا

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

علمائے اودھ اور معقولات

(۲)

از جناب مسعود انور علوی کاکوروی

۱۔ علامہ فضل امام خیرآبادیؒ

محمد فضل امام بن شیخ محمد ارشد فاروقی کا سلسلۂ نسب بتیس[۳۲] واسطوں سے حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے[۱]۔ اُن کے والد ہرگام ضلع سیتاپور سے خیرآباد منتقل ہو گئے ہو گئے تھے۔ وہیں علامہ کی ولادت ہوئی۔ سنہ ولادت کی صراحت نہیں ملتی ہے۔ ابتدائی نوشت و خواند سے انتہائی تعلیم تک مفتی عبدالواجد کرمانی خیرآبادی (۱۲۱۶ھ/۱۸۰۲ء) سے حاصل کی[۲]۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد دہلی کا رخ کیا جہاں علم و فضل میں ایک ممتاز حیثیت ہونے کی وجہ سے بڑی قدر و منزلت اور پذیرائی ہوئی۔ دہلی میں درس و تدریس کا مشغلہ شروع کیا۔ مختلف عہدوں پر رہے۔ انگر

عہ اس سلسلہ میں راقم احقر کا مقالہ ملاحظہ ہو اسلام اور عصر جدید دہلی۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء

۱۔ باغی ہندوستان۔ عبدالشاہد خاں شروانی (بجنور مدینہ پریس۔ ۱۹۴۷ء) : ۱

۲۔ تذکرہ علمائے ہند۔ مولوی رحمٰن علی (لکھنؤ نول کشور پریس ۱۸۹۴ء) ۱۹۶۱ء ترجمہ اردو

حکومت نے ان کی قابلیت، صلاحیت اور علمی تبحر کو دیکھتے ہوئے بالآخر صدر الصدوری کے اہم منصب کی ذمہ داری سونپی، جسے انھوں نے بہ طیب خاطر قبول کرلیا۔ صاحب "تذکرہ" لکھتے ہیں کہ "شاہجہان آباد میں انگریزی حکومت کی جانب سے صدر الصدوری کا عہدہ اور بڑی عزت و رتبہ حاصل ہوا۔"[1] وہ ایک عرصہ تک اس منصب پر رہے پھر پنشن پاکر سبک دوش ہوئے۔[2]

انھوں نے صدر الصدوری جیسے اہم منصب پر فائز ہو جانے کے بعد بھی درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رکھا اور دونوں کام بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ باری تعالیٰ نے افہام و تفہیم کا ایسا جوہر عطا کیا تھا کہ جو ایک بار اُن کے درس میں شامل ہو گیا وہ دوبارہ کسی طرف کا رخ نہ کرتا تھا۔ طالب علم کے ذہن میں مسائل اور ان کے جزئیات نقش کالحجر ہو جاتے تھے۔ صاحب "نزہۃ الخواطر" ان کے علمی تبحر، فضل و کمال اور فلسفہ و منطق میں ان کے مقام کی عظمت کے سلسلے میں رقم طراز ہیں کہ وہ اپنے وقت کے مشہور عالم اور علم و حکمت اور منطق میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ منطق و حکمت میں ان کی کوئی نظیر نہ تھی، درس و تدریس اور افادہ میں مشغول ہو کر ہمہ تن منطق کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"الشیخ الفاضل العلامة فضل إمام..... احد مشاهیر العلماء، المفرد بالامامة فی صناعة المیزان والحکمة فی عصره ولم یسامه فی ذلك احد من نظرائه۔"[3]

۱۔ تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمٰن علی (لکھنؤ نول کشور پریس ۱۸۹۴ء) ۱۶۲؛ نزہۃ الخواطر ۷: ۳۷۴۔

۲۔ نزہۃ ۷: ۳۷۴۔

۳۔ 〃 〃 〃

منطق کی طرف متوجہ ہی نہ ہوتے بلکہ علوم عقلیہ میں اپنے تمام معاصرین پر سبقت لے گئے دہلی سے پنشن پاکر پٹیالہ گئے وہاں کچھ عرصہ رہ کر واپس اپنے وطن خیرآباد آگئے۔ علامہ نے کلکتہ کا سفر بھی کیا تھا۔

خیرآباد میں ۵ ذی قعدہ سنہ ۱۲۴۴ھ / سنہ ۱۸۲۹ء کو وفات پائی[2] حضرت مخدوم شیخ خیرآبادی (۸۸۲ھ / ۸-۱۴۷۷ء) کی درگاہ کی جانب مغرب مدفون ہوئے۔

صاحب نزہۃ الخواطر[3] اور "تذکرۂ علمائے ہند" نے سنہ وفات ۱۲۴۳ھ لکھا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ مرزا غالب کے قطعہ تاریخ سے بھی سنہ ۱۲۴۴ھ نکلتا ہے اور یہی درست ہے۔

اے دریغا قبلۂ ارباب فضل	کرد سوئے جنت الماویٰ خرام[4]
چوں ارادت از پئے کسب شرف	جست سال فوت آں عالی مقام
چہرۂ ہستی خراشیدم نخست	تا بنائے تخرجہ گردد تمام
گفتم اندر سایۂ لطف نبیؐ	باد آرامش گہ فضل امام
۲۵۷	۹۹۲

۱۲۴۴ = ۵ - ۱۲۴۹

علامہ کے تین بیٹے، علامہ فضل حق، فضل عظیم، فضل رحمٰن متولد ہوئے

یوں تو علامہ نے امام معقولات ہونے کی بنا پر منطق میں کئی معرکۃ الآرا تصانیف

۱۔ تذکرہ: ۱۶۲۔

۲۔ آثار الصنادید، سرسید احمد خاں (دہلی اردو بازار ۱۹۶۵ء چہارم): ۵۶۲

۳۔ النزہۃ ۷: ۳۸۷؛ تذکرہ: ۱۶۲۔

۴۔ کلیات غالب قطعہ ۵۱: ۴۲-۴۳۔

اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی کتاب جس کی وجہ سے ہر ایک خاص و عام ان کے نام سے واقف ہے، وہ "المرقاۃ" ہے۔ ایک دوسری کتاب تشحیذ الاذہان ہے مگر ان کی سب سے اہم تصنیف جو آج تک گمنامی کے گوشہ میں ہے الشیخ الرئیس ابن سینا کی تصنیف "طبیعیات الشفاء" کا خلاصہ ہے جو علامہ موصوف کے فلسفیانہ کمال کی واضح دلیل ہے۔

"الشفاء" کے چار حصے ہیں۔ ۱۔ منطقیات ۲۔ ریاضیات ۳۔ طبیعیات ۴۔ الٰہیات

منطقیات کے اندر نو اہم کتابوں کی تلخیص ہے:

۱۔ قلفوریوس (Porphyry) صوری (Tyre) کی ایساغوجی۔ بقیہ آٹھ شیخ کی حسب ذیل آٹھ کتابیں ہیں:

۲۔ قاطیغوریاس (Categories) یا کتاب المقولات
۳۔ باری ارمینیاس (Parmeniables) یا کتاب العبارۃ
۴۔ انولوطیقا (Analyticae) یا کتاب القیاس
۵۔ افودیقطیقا (Apodicticae) یا کتاب البرہان
۶۔ طوبیقا (Topipae) یا کتاب الجدل
۷۔ سوفسطیقا (Sophisticae) یا کتاب الحکمۃ المموہہ
۸۔ ریطوریقا (Rhetoricae) یا کتاب الخطابۃ
۹۔ بوطیقا (Poeticae) یا کتاب الشعر

ریاضیات میں چار فن ہیں۔ ۱۔ ہندسہ (Geometry) ۲۔ ارسماطیقی (Arithmetic) علم الحساب اور زیادہ صحیح طور پر علم خواص الاعداد (Theory of number) ۳۔ ہیئت (Astronomy) ۴۔ موسیقی (Music)۔

پہلا فن یعنی ہندسہ، اقلیدس کی "اصول الہندسہ والحساب" کی تلخیص پر مشتمل ہے۔ اسی کی طرح اس میں بھی پندرہ ۱۵ مقالے ہیں۔ دوسرا فن ارثماطیقی ہے۔ اس میں چار مقالے ہیں۔ یہ نیقوماخس الجراسنی کی "المدخل الی علم الحساب" کی تلخیص ہے۔ تیسرا فن ہیئت ہے۔ یہ بطلیموس کی کتاب "المجسطی" کی تلخیص ہے جو تھا موسیقی ہے۔

طبیعیات میں مندرجہ ذیل آٹھ فنون ہیں:

۱۔ الفن الاول فی السماع الطبیعی ۔ ۴ مقالے

۲۔ الفن الثانی فی السماء والعالم

۳۔ الفن الثالث فی الکون والفساد

۴۔ الفن الرابع فی الافعال والانفعال

۵۔ الفن الخامس فی الآثار العلویہ

۶۔ الفن السادس وہو کتاب النفس

۷۔ الفن السابع فی تولید النبات

۸۔ الفن الثامن فی طبائع الحیوان

یہ آٹھوں فنون ارسطو کی مندرجہ ذیل سات ۷ کتابوں پر مبنی ہیں:

۱۔ السماع الطبیعی (Physica)

۲۔ کتاب السماء والعالم (De-coeloet-Munde)

۳۔ کتاب الکون والفساد (Generes-et-corruptiones)

۴۔ کتاب الآثار العلویہ (Meteriologia)

۵۔ کتاب الحیوان (Parts of the animals)

۶۔ کتاب النفس (Psychology)

۷۔ کتاب الحس والمحسوس [illegible]

جو تقاضائے الٰہیات کا ہے جس سے یہاں بحث نہیں ہے۔

حاجی خلیفہ کی تصریح کے مطابق "الشفا" کی پہلی تشریح ابو عبداللہ محمد بن احمد الادیب صاحب "تحفۃ المدرسین" نے اور پہلی تلخیص شمس الدین عبد الحمید بن عیسیٰ التبریزی (۶۵۲ھ م ۱۲۵۴ء) نے کی۔ اس کی دوسری تلخیص ہندوستان میں اپنے عہد کے سرگروہ معقولات فضل امام خیرآبادی نے کی۔[۱]

"الشفا" انتہائی پُرآشوب اور پُرفتن ماحول میں لکھی گئی جب کہ خود شیخ کی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ دشمن اسے گلی کوچے میں تلاش کرتے پھر رہے تھے اور وہ خود ایک عقیدت مند کے گھر میں انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں چھپا بیٹھا تھا۔ کتاب تو در کنار لکھنے پڑھنے کے لئے کاغذ، قلم اور روشنائی تک نہ تھی۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں اس کے عزیز از جان شاگرد اور رفیق سفر و حضر ابو عبید جوزجانی نے اس سے ارسطو کی فلسفیانہ کتابوں کی شرح کرنے کی درخواست کی۔ شیخ نے کہا میری بے سروسامانی کا عالم دیکھ رہے ہو اس وقت اس قابل نہیں ہوں کہ ارسطو کی کتابوں کی تشریح کر سکوں اور ان پر جو قیل و قال ہوئی ہے، اس کے جوابات دیئے گئے ہیں ان سب کی وضاحت اور تشریح کر سکوں۔ ہاں، البتہ ایک کام کر سکتا ہوں کہ فلسفی مسائل میں ایسے مسائل بیان کر دوں جو میرے نزدیک صحیح اور درست ہیں۔[۲]

علامہ فضل امام نے دہلی کے زمانۂ قیام میں "الشفا" کی تلخیص کی جیسا کہ اس کے ترقیمہ سے پتہ چلتا ہے۔ اس کا واحد معلوم نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، سبحان اللہ کلکشن (۳۱/۱۱۰) میں محفوظ ہے۔ یہ نادر نسخہ علامہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔

---

[۱] [کشف] الظنون مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ (المطبعۃ البہیۃ ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) ۲: [illegible]

[۲] [سرگذ]شت ابن سینا (۱۳۳۱ خورشیدی، ایران) : ۷

[illegible] نفیس اوراق ہیں۔ خط شکست ہے اور کئی مقامات پر باوجود کوشش کے پڑھا نہیں جاتا ہے۔ مزید برآں اس کے ابتدائی صفحات غائب ہیں۔ صفحات کی [illegible] ہے۔ نسخہ ہذا کی ابتدائی عبارت "فی ایجاد ولائل من أثبت الجزء الذی لا یتجزیٰ" ہے۔

اس میں اکیس مقالے ہیں۔ کتاب کی تقسیم اس طرح ہے:

۱۔ فصل من اثبات الہیولیٰ

۲۔ فصل ابیان الرأی الحق

۳۔ فصل من کیفیۃ التلازم بین الہیولیٰ والصورۃ

۴۔ فصل فی الصورۃ الحسیۃ

۵۔ فصل فی ذکر اختلاف القائلین

۶۔ فصل ویبطل مذہب من قال أن المکان او ہیولیٰ او صورۃ

۷۔ المقالۃ الثانیۃ فی الحرکۃ۔ اس میں سولہ فصلیں ہیں۔

۸۔ الباب فی بیان احوال الزمان واختلاف الناس وفیہ فصول۔ اس میں پانچ فصلیں ہیں۔

۹۔ الفن الثانی من الطبیعیات۔ نو فصول پر مشتمل ہے۔

۱۰۔ الفن الثالث فی الکون والفساد۔ پندرہ فصلیں ہیں۔

۱۱۔ الفن الرابع من الجملۃ الثانیۃ۔ اس میں تین مقالے اور متعدد فصلیں ہیں۔

۱۲۔ الفن الخامس من الطبیعیات۔ ایک مقالہ اور چھ فصلیں ہیں۔

۱۳۔ الفن السادس من الطبیعیات فی النفس۔ اس میں پانچ مقالات ہیں۔ پہلا پانچ فصول پر، دوسرا پانچ، تیسرا آٹھ، چوتھا چار اور پانچواں آٹھ پر مشتمل ہے۔

۱۴۔ الفن السابع من الطبیعیات فی النبات، وہو مقالۃ واحدۃ یشتمل علی سبع فصو[ل]

۱۵۔ المقالۃ الثالثۃ من الفن الثانی من جملۃ الطبیعیات

۱۶۔ المقالۃ الرابعۃ من الفن الثانی من جملۃ الطبیعیات

۱۷۔ المقالۃ الخامسۃ من الفن الثامن من جملۃ الطبیعیات وہی فصلان

۱۸۔ المقالۃ السادسۃ من الفن الثامن من جملۃ الطبیعیات

اسی طرح اخیر تک تمام مقالات متعدد فصول میں بٹے ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں ایسا لگتا ہے کہ صفحات بھی مقدم و موخر ہو گئے ہیں۔ بہر حال یہ مخطوطہ اپنے موضوع پر ایک اہمیت کا حامل ہے۔ آخری صفحے پر یہ عبارت ہے:

"فہذا آخر ہذہ المقالۃ وھو آخر الطبیعیات والحمد لواھب العقل ومفیض العدل وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا۔ قد وفق العبد الضعیف الراجی الی رحمۃ ربہ القوی محمد فضل امام بن محمد أرشد الخیرآبادی بتلخیص طبیعیات الشفاء للشیخ الرئیس فی اواسط شہر ربیع الاول من سنۃ السابع والعشرین بعد المائتین بعد الالف من ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین کان مقیما بدار الخلافۃ شاہجہان آباد حرسہا اللہ عن الفتن والفساد متولیا بخدمۃ الافتاء۔ والحمد للہ علی ذلک حمدا متکاثرا۔

۲۔ علامہ فضل حق خیرآبادی:

علامہ فضل حق، علامہ فضل امام کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء

...ں اپنے وطن خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ آنکھ کھولی تو گھر میں علم وفضل کا چرچا پایا۔ اپنے ...رد وپیش پر نظر ڈالی تو امارت وریاست کے سازوبرگ سے معمور دیکھا۔ قوت حافظہ ...ہت قوی تھا۔ بچپن میں اپنے والد کے پاس دہلی چلے گئے۔ جملہ منقولات کی تعلیم شاہ عبدالقادر ...حدث دہلوی (۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء) وشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) سے اور معقولات کی تحصیل والد گرامی سے پوری کی۔ چار ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا اور تیرہ[۱] سال کی عمر میں فراغت حاصل کی۔[۱]

فراغت درس کے بعد ہی تدریسی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ چنانچہ اکثر وبیشتر والد کے ...لم سے اپنے سے کہیں بڑی عمر کے لوگوں کو درس دیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں تذکرہ غوثیہ کے مولف نے ایک دلچسپ واقعہ درج کیا ہے:[۲]

> "ایک مرتبہ امرؤالقیس کے طرز پر ایک عربی قصیدہ کہہ کر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے پاس لائے۔ شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا اس کے جواب میں بیس شعر متقدمین کے پڑھ دیئے۔ مولوی فضل امام صاحب نے فرمایا "بس حد ادب" انھوں نے جواب دیا کہ "حضرت یہ کوئی علم تفسیر وحدیث تو ہے نہیں، فن شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے" شاہ صاحب نے فرمایا "برخوردار تو سچ کہتا ہے مجھ کو سہو ہوا تھا۔"[۳]

علامہ جب تک دہلی میں رہے درس وتدریس میں مشغول رہے۔ لکھنؤ آکر بھی یہی شغلہ

۱۔ باغی ہندوستان: ۱۱۱؛ الثورۃ الہندیہ: ۱۵۔۲۲۔۲۷؛ تذکرہ: ۱۶۴۔

۲۔ تذکرہ غوثیہ۔ شاہ گل حسن قادری لاہور علمی پرنٹنگ پریس ۱۹۳۰ء: ۱۳۶۔۱۳۷۔

۳۔ تذکرہ غوثیہ: ۱۳۷۔

جاری رکھا۔ "تذکرہ علمائے ہند" کے مؤلف نے لکھا ہے کہ "میں ۱۲۴۲ھ میں حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ حقہ پی رہے ہیں اور شطرنج کھیل رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ایک شاگرد کو "افق المبین" کا درس بھی اس طرح دے رہے ہیں کہ حسن بیان کی وجہ سے کتاب مذکور کے مطالب شاگرد کے ذہن نشین ہوتے جا رہے ہیں"۔[1]

۱۲۴۴ھ میں والد کے انتقال کے بعد دہلی میں ریزیڈنٹ کے محکمہ کے سررشتہ دار ہو گئے بعد کو لکھنؤ میں صدر الصدور مقرر ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے ہنگامہ میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے کی سزا میں کالے پانی کی قید تجویز ہوئی۔ وہاں بڑے سخت مصائب اور روح فرسا اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا اور ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ / ۱۸۹۱ء کو وہیں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔[2]

۱۔ تذکرہ : ۱۶۴ — ۱۶۵

۲۔ علامہ پر مستقل اور غیر مستقل طور سے لکھا گیا ہے۔ چنانچہ مزید حالات کے واسطے ملاحظہ ہو :

(ا) ابجد العلوم ۔ نواب صدیق حسن خاں (مطبعہ صدیقیہ بھوپال) : ۹۱۵

(ب) الہدیۃ السعیدیۃ ۔ علامہ فضل حق خیر آبادی

(ج) امتیاز حق ۔ راجہ غلام محمد خاں (اعظم گڈھ، مبارک پور ۱۹۷۶ء)

(د) الیانع الجنی فی اسانید شیخ عبد الغنی ۔ شیخ محمد محسن ترہتی (بھوپال مطبع صدیقی ۱۲۸۷ھ) : ۷۵ ۔

(ہ) الاعلام ۔ خیر الدین الزرکلی الطبعۃ الثانیۃ ۷ : ۲۲۲ - ۲۲۳

(و) تاریخ اودھ ۔ نجم الغنی خاں رامپوری (لکھنؤ، نول کشور پریس ۱۹۱۹ء) ۵ : ۲۳۲

(بقیہ اگلے شمارے میں)

علامہ نے متعدد بیش بہا علمی و ادبی تخلیقات اپنی یادگار چھوڑی تھیں :

۱۔ الجنس الغالی ۲۔ حاشیہ تلخیص الشفاء ۳۔ حاشیہ شرح السلم القاضی مبارک ۴۔ الہدیۃ السعیدیۃ ۵۔ الرسالۃ فی العلم والعلوم ۶۔ الروض المجود فی حقیقۃ الوجود ۷۔ الرسالۃ فی تحقیق الاجسام ۸۔ الثورۃ الہندیہ ۹۔ تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ ۱۰۔ الحاشیۃ علی الافق المبین وغیرہ

ان کی تمام دستیاب شدہ تصانیف اپنے علمی شاہکاران کی دقتِ نظر، قوتِ فکر اور استدلال کی شاہد ہیں۔ "الحاشیۃ علی الافق المبین" ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ آئندہ سطور میں "الافق المبین" اور اس کے "حاشیہ" پر کسی قدر روشنی ڈالی جائے گی تاکہ ان کی اہمیت اور قدر و قیمت متعین ہو سکے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(ز) تاریخ حکمائے اسلام۔ سید سلیمان ندوی (اعظم گڈھ۔ مطبع معارف ۱۹۵۶ء)
۲: ۲۳۱-۲۳۴

(ح) تراجم الفضلاء۔ مفتی انتظام اللہ شہابی (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۱۹۵۶ء)

(ط) جنگ آزادی۔ محمد ایوب قادری (کراچی پاک اکیڈمی ۱۹۷۶ء) : ۳۷، ۴۵۔۴۴

(ی) علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ سید محمد میاں (دہلی الجمعیۃ بک ڈپو ۱۹۶۰ء)
۴: ۲۹۴۔ دیگر صفحات

(ک) معجم المولفین۔ عمر رضا کحالہ (دمشق، مطبعۃ الترقی ۱۳۸۰/۱۹۶۰ء) ۱۱: ۱۳۰۔۱۳۱

(ل) مولانا فضل حق و عبد الحق خیرآبادی۔ مفتی انتظام اللہ شہابی (بدایوں، نظامی پریس)

(م) ہدیۃ العارفین۔ اسماء المولفین و آثار المصنفین۔ اسمٰعیل باشا (استانبول،

"الافق المبین" میر باقر داماد (م ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۱ء) کی شاہکار تصنیف ہے۔ اس میں صفوی عہد کے ایک کی فلسفیانہ مفکریت ذروہ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد اس کتاب کی وجہ تصنیف کے بارے میں لکھتے ہیں :

"یقول احوج المربوبین إلی ربہ الغنی محمد بن محمد الملقب بباقر الداماد الحسینی ختم اللہ بالحسنی أخلاء الملة الیونانیة واقرباء القرابة الروحانیة إن ھذا مشرع حکمائی ومرصد برہانی جاء ببھجة السر بأنوار إرصادی العقلیة .... لم أشذ فیہ عن امر الحق بمستعذب الشھرة ولم اشغلہ عن صرف فطرة الحکمة لتخلیط سوء الفکرة واذ قد اصطفانی ربی علی .... والاتراب من شرکاء الصناعة ورؤسائھا فی الملة الاسلامیة و الدورة الیونانیة لشرح الصدر للایمان ، واجتبانی منھم لاصطیاد الحق بالبرھان وبلغ نصابی إلی حیث ملکت العقد وسبکت الأفکار ونحلت العلوم ونقدت الانظار وبفضل منہ ورحمة أبحت اسقام الافھام وشرحت صدور غوامض الأحکام وأبرحت الحکمة وابلجتھا وابلحت الفلسفة و انضجتھا...... وصنعت ھذا العلق المتین والرق الرقیق شریعة للشارعین وذریعة للبارعین ، عسی اللہ ان یجعلہ الافق المبین والسبیل المتین"[۱]

۱۔ الافق المبین، ذخیرہ سبحان اللہ علی گڑھ (عربیہ علوم ۸۲) : ص ۵

"الافق المبین" میں جو مباحث درج ہیں ان میں سب اہم مسئلہ حدوث دہری کا ہے۔ یہ مسئلہ زمان کے حل کے سلسلے میں اسلامی عبقریت کا ایک گراں بہا کارنامہ ہے۔ عہد ماضی کی طرح مسئلہ زمان، اسلامی فکر میں قدیم زمانے سے ایک خصوصی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ کیونکہ ایک جانب متکلمین تھے جو سرے سے زمانہ کے وجود خارجی کے ہی منکر تھے اور دوسری جانب ابوبکر بن زکریا رازی، محمد بن حسین نیبان اور فرقہ حرنانیہ کے پیرو تھے جو زمانہ کو واجب الوجود سمجھتے تھے۔ ان انتہا پسندانہ موقفوں کے درمیان ارسطو اور اس کی تقلید میں شیخ کا مسلک تھا۔ یہ لوگ زمانہ کو قدیم مانتے تھے۔

امام رازی نے "المحصل" میں ارسطو اور شیخ کے مسلک پر حملہ کیا تھا۔ اس کا جواب ابن سینائی فلسفہ کے مجدد اعظم خواجہ نصیر الدین طوسی نے "نقد المحصل" میں سرسری طور پر دیا تھا۔ لیکن میر باقر داماد نے "الافق المبین" میں حدوث دہری کا نظریہ وضع کرنے کے بعد زیادہ تحقیقی جواب کی کوشش کی تھی۔ ملا محمود جونپوری نے "الشمس البازغہ" میں میر باقر داماد کے اس مسلک سے اختلاف کیا۔ اگرچہ وہ میر باقر کی شخصیت کی عظمت کے معترف تھے بلکہ حدوث دہری کے نظریہ کے ذریعہ اسلام کے بنیادی عقائد کی جو عقلی توجیہ انھوں نے کی تھی، ملا محمود اس کی تعریف میں بھی رطب اللسان تھے۔ چنانچہ "الشمس البازغہ" میں پہلے تو ان کی دقت نظر اور قوت فکر کی تعریف کی ہے پھر ان کی اس دین پسندی کی تعریف کی ہے جو انھیں اسلام کے بنیادی عقیدے حدوث عالم کے ساتھ تھی اور اس کے بعد انھوں نے بتایا ہے کہ اس کے لئے انھوں نے (میر باقر داماد) حدوث دہری وضع کیا ہے۔

واعلم أن لبعض حيرة الاحقين بلهجة السابقية
مع توغله في سياحة ام من الحقيقة و... في لجة
يم الحكمة وولوجه في أعماق شرى الملك باقته ام انتقا ۱۲

الشامخة ودخرجه من اطباق سماء الملكوت بقوادم الكلام الساطعة ..... ابتدع القول بالحدوث الدهري والقبلية الدهرية وحقق ذلك الطوائين الدقيقة ودونه الصحف الأنيقة[1]۔"

ں کے ساتھ ساتھ وہ حدوث دہری کو ارسطو اور ابن سینا کا جانشین اور ان کا ہم خیال سمجھتے تھے۔ چونکہ حدوث دہری کا مسئلہ ارسطاطالیسی ابن سینائی فلسفہ پر ضرب لگاتا تھا اس لئے انھوں نے "الشمس البازغة" میں اس نظریے کی مخالفت کی۔ میر باقر داماد کے استدلال کی تلخیص دینے کے بعد جس کا اختتام انھوں نے "هذا محصل كلماته التي نقلتها مع الإطناب ونقلتها مع الإسهاب[2]" پر کیا ہے۔ اور

"أقول المطلق القبلية والبعدية المانعتين عن الاجتماع لا نتعقلهما إلا حيث يكون امتداد محقق أو موهوم أو ما لا يكون فيه امتداد أصلاً لا يتصور فيه عدم ثم وجود وبالجملة حال ثم حال كيف وقولنا لم يكن فكان أو كان الصادق"[3]

لکھ کر استدلال کیا ہے۔

۱۔ الشمس البازغة : ۱۷۹

۲۔ " : ۱۸۲

۳۔ " : ۱۸۳

ڈاکٹر خواجہ میر نوری نے اپنے ذہن میں "الشمس البازغة" کی تبویب و تفصیل کا جو منصوبہ بنایا بالکل وہی تھا جو ارسطو اور ابن سینا نے اپنی طبیعیات کی شرح و توضیح میں اختیار کیا تھا۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہندوستان میں میر باقر داماد کے بھی عقیدت مند تھے ۔ کچھ لوگ ان کے براہ راست تعلیم پاکر آئے تھے اور کچھ لوگ ان کے اندازِ فکر سے متاثر تھے ۔ اس لئے ان عقیدت مندوں نے ملا محمود جونپوری کے اعتراضات کا جواب دینا شروع کیا ۔ ٹھیک اسی طرح ملا محمود کے بھی عقیدت مند تھے ۔ انھوں نے ان جوابات کے جواب الجواب مرتب کرنا شروع کر دیئے ۔ اس طرح اس بحث نے انتہائی دلچسپ نزاع کی شکل اختیار کر لی یہاں تک کہ بارھویں صدی کے اوائل میں حافظ امان اللہ بنارسی (۱۱۳۳ھ/ ۱۷۲۰ء) نے سید محمد میر داماد اور ملا محمود جونپوری کے درمیان محاکمہ کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ارسطو کی طبیعیاتی تصانیف سات یا آٹھ ہیں ۔ ان ہی کے مطابق ابن سینا نے حصۂ طبیعیات کی تقسیم کی ہے ۔ یہی ہشت گانہ تقسیم کا انداز ملا محمود جونپوری نے "الشمس البازغہ" میں اختیار کرنا چاہا تھا ۔ چنانچہ انھوں نے اپنی مجوزہ تفصیل اس طرح پر دی ہے :

۱۔ کتاب السماع الطبیعی
۲۔ کتاب الکون و الفساد
۳۔ کتاب الآثار العلویہ
۴۔ کتاب الحیوان
۵۔ کتاب السماء والعالم
۶۔ کتاب الفعل والانفعال
۷۔ کتاب النباتات
۸۔ کتاب النفس

بعد میں مولانا فضل حق خیرآبادی نے اس سلسلہ میں غیر معمولی اہمیت اور ژرف نگاہی کا ثبوت دیا۔ حدوث دہری کے ابطال میں مولانا نے جو قوی دلائل دیئے ہیں وہ بڑے جامع اور مستحکم ہیں۔ ان کا اندازہ "الافق المبین" کے حاشیہ سے ہوتا ہے۔

یہ حاشیہ سبحان اللہ کلکشن ۱۱۲/۸ علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ خط مؤلف ہے۔ ایک سو بیاسی صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں انیس ۱۹ سطریں ہیں، خط خفی ہے، آخری صفحات غائب ہیں۔ اس میں کوئی تبویب اور فصول وغیرہ کی تفصیل نہیں ہے۔ کہیں کہیں عبارت پڑھنا بھی دشوار ہے۔

ابتدا اس طرح ہے:

"إياك نحمد يا ذا القوة المتين على فضلك المبين وإياك نعبد وإياك نستعين ونصلي على رسولك الأمين، حبيبك المكين سيد العلمين طه ويا سين الذي كان نبيا وآدم بين الماء والطين .... وبعد فهذا تلقين حق اليقين وتوهين مهين للخرص والتخمين يطلع به عين الحق ويستبين من الافق المبين بقواطع الحجج وسواطع البراهين والله الموفق والمعين الخ

یہ حاشیہ "قال اقول" کے انداز میں ہے۔ اس میں حدوث دہری کے ابطال میں قوی دلائل پیش کئے ہیں:

قيل ينفصل عن ذلك الخ۔ فقد اعترف انفا بان مصداق حمل الوجود على الماهية ومطابق الحكم به

ھو النفس المھیۃ لا امر انضم یقوم بھا وأنۃ لیس لیس فی ظرف الوجود الا نفس المھیۃ۔ ثم العقل بضرب من التحلیل ... منھا معنی الموجودیۃ والصیغۃ المصدریۃ ویصفھا بہ ویحملہ علیھا فقولنا المھیۃ الموجودۃ لیس حکایۃ الا عن نفس المھیۃ بلا زیادۃ أمر علیھا کما أن قولنا الانسان إنسان مثلا لیس حکایۃ إلا عن نفس مھیۃ الانسان بلا زیادۃ أمر علیھا الخ

۳۔ عبدالحلیم فرنگی محلی :

مولانا عبدالحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر بن مفتی احمد ابوالرحم بن مفتی محمد یعقوب بن ملا عبدالعزیز بن ملا محمد سعید بن ملا قطب الدین شہید سہالوی بتاریخ ۱۱ شعبان ۱۲۰۹ھ / ۵۔۳۔۱۷۹۴ء لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں کلام پاک حفظ کیا اور اپنے والد ماجد مفتی ظہور اللہ، محمد اصغر، مولوی نعمت اللہ اور مفتی محمد یوسف فرنگی محلی کی خدمت میں تحصیل علم کے بعد سولہ سال کی عمر میں درسِ نظامی سے فراغت حاصل کی۔ فارغ ہونے کے بعد اپنے آبائی پیشہ درس وتدریس کو اختیار کیا۔ ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں نواب ذوالفقار الدولہ رئیس باندہ کی طلب پر وہاں گئے۔ نواب صاحب بڑے اعزاز واکرام سے پیش آئے اور اپنے مدرسہ کا مدرس مقرر کر دیا۔ ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہے پھر لکھنؤ آئے اور ایک سال بعد جون پور کے ایک رئیس حاجی امام بخش کے پاس چلے گئے۔ حاجی صاحب موصوف نے اپنے تعمیر کردہ مدرسہ امامیہ حنفیہ کا مدرس مقرر کر دیا اور بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ مولانا نے نو سال کے طویل عرصہ میں مسندِ درس پر بیٹھ کر بکثرت تشنگانِ علم کو فیض یاب کیا۔ ۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء میں وطن آکر مولانا شاہ عبدالوالی قادری سے بیعت کی۔